شبیر احمد خاں غوری

اسلامی ہندوستان کا ابتدائی علمی دور

سیاسی پس منظر

ہندوستان میں اسلامی ثقافت کا آغاز پہلی صدی ہجری سے ہوتا ہے جبکہ محمدؐ بن قاسم نے سندھ اور ملتان کو فتح کیا اور اس طرح شمال مغربی ہندوستان قلمروئے خلافت میں داخل ہوا۔

لیکن ہندوستان پر عربوں کی یورشیں ۱۵ھ ہی سے شروع ہو چکی تھیں۔ جبکہ اُن کا ایک بحری بیڑا بندرگاہ تھانہ پر حملہ آور ہوا[1]۔ اس کے بعد بحری مہموں کا سلسلہ تو بند ہو گیا، البتہ خشکی کی جانب سے وقتاً فوقتاً حملے ہوتے رہے[2]۔ لیکن ان حملوں کی نوعیت ہنگامی یورشوں کی تھی۔ مگر جب محمدؐ بن قاسم نے ۹۳ھ میں سندھ اور ۹۵ھ میں ملتان فتح کر لیا تو ہندوستان میں باقاعدہ اسلامی حکومت کا افتتاح ہوا۔

محمدؐ بن قاسم کی فتوحات کا سلسلہ اور آگے بڑھتا، مگر نئے خلیفہ نے اسے معزول کر کے دوسرا والی بھیجا۔ ۱۱۰ھ تک سندھ اور ملتان کا ایک ہی گورنر ہوا کرتا تھا، مگر بعد میں دونوں علاقے علیحدہ ہو گئے۔ سندھ میں دربارِ خلافت سے گورنر مقرر ہو کر آتا تھا اور ملتان میں حکومت بنو منبہ کے خاندان میں منتقل ہونے لگی۔

۱۳۲ھ میں امویوں کے بجائے عباسی خلیفہ ہوئے اور سندھ عباسی خلافت کا ایک صوبہ بن گیا۔ مگر

---

[1] "وولی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عثمان بن ابی العاص البحرین وعمان سنہ ۱۵ فوجہ اخاہ الحکم الی البحرین ومضی الی عمان۔ فاقطع جیشا الی تانہ (تھانہ) فلما رجع الجیش کتب الی عمر یعلمہ۔" (فتوح البلدان للبلاذری ص ۴۳۸)

[2] خشکی کی طرف سے پہلا حملہ حارث بن مرۃ العبدی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی اجازت سے کیا۔ "فلما کان اٰخر سنہ ۳۸ واول سنہ ۳۹ فی خلافۃ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ توجہ الی ذلک الثغر الحارث بن مرۃ العبدی متطوعًا باذن علی فظفر واصاب مغنمًا۔" (ایضاً ص ۴۳۸)

کچھ دن بعد عرب خاندانوں میں یمنی و نزاری عصبیت نے خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لی[۱] - جو گورنر بھیجا گیا، ناکام ہوا، آخر کار ۲۴۰ھ میں المتوکل علی اللہ عباسی نے مجبور ہو کر ایک مقامی امیر عمر بن عبد العزیز الھباری کو سندھ کا نیم خود مختار حاکم تسلیم کر لیا، اور اس طرح ہندوستان میں پہلی مستقل اسلامی حکومت کا قیام ظہور میں آیا - ہباری خاندان چوتھی صدی ہجری کے اختتام تک سندھ میں حکمران[۲] رہا -

ملتان میں چوتھی صدی ہجری کے ربع ثالث تک بنو منبہ کی سنی حکومت[۳] تھی - اس کا خاتمہ اسماعیلی داعی جلم بن شیبان نے کیا جلم ہی نے ملتان کے مشہور بت کو توڑا تھا[۴] - اس کے جانشینوں کی سیہ کاریوں اور الحاد و بے دینی سے تنگ آ کر محمود غزنوی نے ۴۰۱ھ میں ملتان پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا - یہاں سے خاسر و خائب ہو کر اسماعیلیوں نے منصورہ (سندھ) پر قبضہ جمالیا - مگر ۴۱۷ھ میں محمود نے حملہ کر کے منصورہ کو بھی غزنی کی سلطنت میں داخل کر لیا[۵]

غزنوی خاندان کا بانی سبکتگین ۳۶۶ھ میں غزنی کے تخت پر بیٹھا - ۳۸۷ھ میں اس کی وفات پر اس کا بیٹا محمود اس کا جانشین ہوا - محمود نے پنجاب فتح کر کے اپنی سلطنت میں ملا لیا - اس طرح اسلامی ثقافت کا مرکز منصورہ و ملتان سے لاہور میں منتقل ہو گیا - محمود نے ۴۲۱ھ میں وفات پائی - اس کے

---

[۱] "ثم وقعت العصبية بين النزاريه واليمانيه فمال عمران الى اليمانيه فسار اليه عمر بن عبد العزيز الھباری فقتله" (ایضاً ص ۴۵۰)

[۲] "وتوفی هارون بن ابی خالد عامل السند سنه ۲۴۰ - وکتب عمر بن عبد العزیز السامی والمنتمی الی سامه بن لوئی صاحب البلد هنالك یذکر انه ان ولی البلد قام به وضبطه فاجابه الی ذلك فاقام طول ایام المتوکل" (تاریخ یعقوبی مطبعه الغری النجف - الجزء الثالث ص ۲۱۵)

[۳] چنانچہ ابن حوقل جو یہاں ۳۶۷ھ میں آیا تھا لکھتا ہے: "وبخارج الملتان علی نصف فرسخ ..... بعسکر امیرہ ..... وهو من ولد سامه بن لوی بن غالب ولیس هو فی طاعة احد وخطبته لبنی العباس" (کتاب صورة الارض لابن حوقل ص ۳۲۲)

[۴] چنانچہ البیرونی لکھتا ہے: "فلما استولت القرامطة علی الملتان کسر جلم بن شیبان المتغلب ذلك الصنم وقتل سدنته" (کتاب ما للهند من مقوله مقبوله او مرذوله عند العقل صفحہ ۵۶)

[۵] ابن الاثیر ۴۱۶ھ کے واقعات کے اندر محمود کے حملہ منصورہ (سندھ) کے بارے میں لکھتا ہے (کامل المجلد التاسع ص ۱۱۹)

(باقی بر صفحہ ۱۹)

جانشینوں کو سلاجقہ اور غوری حکمرانوں سے ٹکر لینا پڑی مسلسل جنگوں نے انھیں زبوں حال کر دیا، یہاں تک کہ خسرو شاہ غزنوی کے حملے سے پریشان ہو کر لاہور چلا آیا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا خسرو ملک اس کا جانشین ہوا۔ مگر ۵۸۳ھ میں سلطان معز الدین محمدؒ سام نے حملہ کر کے غزنوی خاندان کا خاتمہ کر دیا۔[۱]

سلطان معز الدین محمد سام ۵۶۹ھ میں غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ ۵۷۱ھ میں اس نے ملتان کو قرامطہ (اسماعیلیہ) سے جو وہاں پھر قابض ہو گئے تھے، چھینا۔ ۵۸۳ھ میں لاہور کو فتح کر کے علی کرماخ کو نائب سلطنت اور سراج الدین منہاج جوزجانی کو قاضی لشکر مقرر کیا۔ ۵۸۸ھ میں تراین کی لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں اجمیر، سوالک، ہانسی اور سرستی کا علاقہ غوری حکومت میں داخل ہو گیا۔ اگلے سال قطب الدین ایبک نے میرٹھ، دہلی اور کول (علی گڑھ) کو فتح کیا۔ ۵۹۰ھ میں سلطان نے بنارس اور قنوج کو مفتوح کیا۔ غرض چھٹی صدی ختم ہوتے ہوتے شمالی ہندوستان کا بڑا حصہ غوری حکومت میں داخل ہو گیا۔ ۶۰۲ھ میں سلطان محمدؒ غوری نے ایک باطنی فدائی کے ہاتھ سے شہادت پائی۔[۲]

محمدؒ غوری کی وفات پر اس کا آزاد کردہ غلام[۳] قطب الدین ایبک اس کے ہندوستانی مقبوضات کا وارث بنا۔ قطب الدین نے ایک نئے سلسلہ کی بنیاد ڈالی جو "غلام خاندان" (دولتِ مملوکیہ) کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی وفات (۶۰۷ھ) پر اس کا بیٹا آرام شاہ تخت نشین ہوا، مگر جلد ہی مر گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) "دقصد المنصورة وكان صاحبها ارتدّ عن الاسلام .. فاحاط به وبمن معه۔ فقتلوا اكثرهم وغرق منهم كثير ولم ينج منهم الا القليل۔"

[۱] "خاندان آں ناصر الدین سبکتگین مندرس گشت ... و بادشاہی ایران و تخت ہندوستان و ممالک خراسان بملوک و سلاطین شنبیان رسید۔" (طبقات ناصری ص ۲۷)

[۲] "و ہنگام مراجعت در دمیک کہ نام دیہے است از توابع غزنیں از دست فدائی کھوکھر شہید شد۔" (منتخب التواریخ بدایونی مطبوعہ نولکشور پریس صفحہ ۵۱)۔ اسی طرح ابن الاثیر لکھتا ہے: "وقيل انما قتله الاسماعيلية لانهم خافوا خروجه الى خراسان وكان له عسكر يحاصر بعض قلاعهم۔" (الکامل الجلد الثانی عشر صفحہ ۸۲)

[۳] الکامل لابن الاثیر الجلد الثانی عشر ص ۹۶: "واشهد عليه ايضاً بعتق قطب الدين ايبك مملوك شهاب الدين ونائبه ببلاد الهند وارسل الى كل واحد منهما الف قياد ومائة راس من الخيل .. وسار رسول ايبك اليه وكان بفرشاپور .. فلما قرب الرسول منه .. لبس الخلعة۔

اُس کے بعد امرائے سلطنت نے شمس الدین التتمش کو تخت پر بٹھایا۔ التتمش کا خاندان ۶۶۲ھ تک تخت دہلی پر متمکن رہا۔ اس کے بعد اس کے غلامان چہلگانی میں سے بلبن تخت نشین ہوا جس نے ۶۸۵ھ میں وفات پائی، اور خود غرض امراء نے اس کے ناتجربہ کار پوتے کیقباد کو تخت پر بٹھا دیا مگر نوجوان بادشاہ کی عیش پرستی، خود غرض امراء کی باطل پرستی اور وفادار ملازمین کی بے دلی نے ۶۸۹ھ میں کیقباد کے ساتھ خاندان مما لیک کو بھی ختم کر دیا۔

کیقباد کے بعد جلال الدین خلجی نے ایک نئے خاندان "دولتِ خلجیہ" کی بنیاد ڈالی۔ مگر وہ ۶۹۵ھ میں اپنے بھتیجے علاء الدین کے ہاتھوں قتل ہوا۔ علاء الدین بڑا حوصلہ مند فاتح اور کشور کشا تھا۔ اس نے تقریباً پورا برصغیر اپنے زیرنگین کر لیا مگر آخرکار ۷۱۶ھ میں وہ بھی فرشتۂ اجل سے مغلوب ہوا۔ اس کے کچھ دن بعد اس کا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس نے ایک نومسلم غلام خسرو خاں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کیا اور انجام کار اسی محسن کش کے ہاتھوں شہید ہوا۔ مگر اُمرا نے اس نمک حرام کو بھی نہ چھوڑا۔ اب خلجی خاندان میں کوئی وارث تخت و سلطنت نہیں رہ گیا تھا۔ اس لیے ایک نیا خاندان برسرِ اقتدار آیا۔ یہ تغلق تھے۔

دولتِ تغلقیہ کی بنیاد غیاث الدین تغلق نے ڈالی۔ ۷۲۴ھ میں اس کے انتقال پر اس کا بیٹا محمد تغلق اس کا جانشین ہوا۔ وہ اپنی جامع اضداد سیرت کی وجہ سے تاریخ ہند کی مشہور شخصیتوں میں سے ہے ایک جانب تاریخ و تراجم کے صفحات اس کے جود و سخا کے قصوں سے معمور ہیں تو دوسری جانب اس کے قتل و تعذیب کی داستانیں ہیں جنھیں سُن کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں[۱]۔ اس تلوّن مزاجی اور سفاکی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُمرا اس سے بددل ہو گئے۔ مقدر بھی اس کے عزم راسخ کے باوجود ناسازگار ہی رہا۔ چنانچہ اس کی زندگی کا آخری حصہ مختلف صوبوں کی بغاوتوں کے فرو کرنے کی ناکام کوشش ہی میں گذرا اور اسی ناکام کوشش میں اس نے ۷۵۲ھ میں وفات پائی۔

سلطان محمد تغلق کی وفات پر اس کا چچا زاد بھائی فیروز تغلق اس کا جانشین ہوا۔ وہ بڑا ہی

۱؎ ابن بطوطہ محمد بن تغلق کے بارے میں لکھتا ہے "وھذا الملک احب الناس فی اسداء العطایا واراقة الدماء. فلا یخلو بابه عن فقیر یغنی او حی یقتل۔ وقد شهرت حکایاته فی الکرم و الشجاعة وحکایاته فی الفتک والبطش بذوی الجنایات" (رحلة ابن بطوطه المجلد الثانی صفحه ۴۱-۴۰)

نیک نفس اور منصف مزاج بادشاہ تھا۔ اس نے اس انتشار اور طوائف الملوکی کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر قسمت کے آگے کسی کی پیش نہیں جاتی۔ محمد تغلق کے حکم سے جن بے گناہوں کا خون بہایا گیا تھا وہ رنگ لاکر ہی رہا۔ فیروز تغلق نے پیرانہ سالی میں ۷۹۰ھ کے اندر وفات پائی۔

وہ عظیم الشان سلطنت جو محمد تغلق نے خلجی حکمرانوں سے ورثہ میں پائی تھی کچھ ہی عرصہ بعد پارہ پارہ ہوگئی، اور فیروز تغلق کے جانشینوں کا اقتدار دہلی کے مضافات میں محدود ہو کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ ۸۰۰ھ میں تیمور نے حملہ کرکے اس ظاہری پردے کو بھی چاک کر دیا۔ دہلی کی مرکزیت ختم ہوگئی۔ ملک مختلف صوبوں میں تقسیم ہوگیا۔ ہر صوبے کا حاکم خود مختار بن بیٹھا۔ تیمور نے جاتے وقت خضر خاں کو دہلی کا حاکم بنا دیا تھا، جہاں اس کے خاندان نے ۸۵۲ھ تک حکومت کی اُن کے بعد لودھی سلاطین کا دَور دورہ شروع ہوا۔ ان کا آخری تاجدار ابراہیم لودھی تھا جسے ۹۳۲ھ میں ختم کر کے بابر نے مغلیہ سلطنت کا افتتاح کیا۔

اسلامی ثقافت کی ترقی و اشاعت

مسلمان حکمرانوں نے ہمیشہ علمی سرپرستی کو لوازم سلطنت میں محسوب کیا۔ چنانچہ محمد بن قاسم نے حجاج کو جو رپورٹ بھیجی تھی اس میں حسب تصریح "چچ نامہ" مذکور تھا:

"بجائے تعبدگاہ کفر مساجد و معابد برآوردہ شدہ و بانگ نماز و خطبہ و منا بر نہادہ آمد"۔

یہی مساجد آگے چل کر اسلامی تعلیم کا مرکز بنیں۔ پھر فاتحین کی تبلیغی مساعی نے مقامی آبادی میں بھی اسلامی ثقافت کی ترقی و اشاعت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اسی جذبے نے حدیث میں ابو معشر نجیح[۵۱]، فقہ میں اوزاعی[۵۲]، کلام میں عمرو بن عبید[۵۳] اور شعر و شاعری میں ابو عطاء بن یسار[۵۴] پیدا کیے۔ ہباری خاندان کے دوسرے حکمران

---

[۵۱] ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن السندی المدینی ... یروی عن محمد بن عمرو و نافع و ھشام بن عروہ و روی عنہ العراقیون۔ قال ابو نعیم کان ابو معشر سندیا"۔ (الانساب للسمعانی ورق ۳۱۴)

[۵۲] "(الاوزاعی) واصلہ من السند... وقال الحزینی کان الاوزاعی افضل اھل زمانہ" (تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۱۶۱)

[۵۳] وھو عمرو بن عبید بن باب مولی بنی تمیم وکان جدہ باب من سبی کابل من رجال السند وکان شیخ المعتزلۃ ومفتیھا"۔ (مروج الذہب حاشیہ کامل ابن الاثیر جلد ثامن صفحہ ۹۰)

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۲۲)

عبداللہ بن عمر نے الرور کے راجہ مہروک بن رایق کی درخواست پر ہندی زبان میں اسلامی تعلیمات ایک عراقی عالم سے مرتب کرائیں جسے پڑھ کر راجہ مشرف باسلام[۱] ہوگیا۔ ہندی زبان میں یہ پہلی اسلامی تصنیف تھی جس کا تذکرہ تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ مشہور سیاح و جغرافیہ نویس مقدسی جو چوتھی صدی میں سندھ آیا تھا۔ "احسن التقاسیم" میں لکھتا ہے کہ اہل منصورہ کے یہاں علم اور علما کی کثرت ہے۔ اس نے خصوصیت سے قاضی ابو محمد داؤدی کے مدرسہ کا ذکر کیا ہے جس میں وہ خود درس دیتے تھے[۲]۔ سندھ میں دو شہر بہت زیادہ مردم خیز تھے: منصورہ اور دیبل، چنانچہ یہاں کے اکابر فضلا کا ذکر سمعانی نے "کتاب الانساب" میں کیا ہے[۳]۔

غزنوی عہد میں اسلامی ثقافت کا مرکز ملتان و منصورہ سے منتقل ہو کر لاہور پہنچ گیا۔ محمود غزنوی محض فاتح ہی نہیں تھا، علم دوست بھی تھا، چنانچہ ابن الاثیر اس کی علمی سرپرستی کے بارے میں لکھتا ہے:

صنف کثیر من الکتب فی فنون العلم وقصدہ العلماء من اقطار البلاد وکان یکرمھم ویقبل علیھم ویعطیھم ویحسن الیھم[۴]۔

"اس کے لیے مختلف علوم و فنون میں کثیر التعداد کتابیں لکھی گئیں۔ دُور دُور شہروں سے علماء اس کے پاس آتے تھے۔ وہ اُن کی تعظیم و تکریم کرتا تھا اور صلات و جوائز سے نوازتا تھا۔"

علمی سرپرستی کی یہ روایات اس کے خاندان میں بھی جاری رہیں، حتیٰ کہ جب غزنویوں کے زوال پر غوری حکمران ان کے جانشین ہوئے تو انھوں نے بھی اس علمی سرپرستی کو باقی رکھا۔ اُن کا پایۂ تخت فیروزکوہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) [۴] ابو عطاء اسمہ افلح بن یسار مولی بنی اسد ... کان ابوہ یسار سندیا اعجمیا لا یفصح وکان فی لسان ابی عطاء لکنۃ شدیدۃ ولثغۃ ... کان ابو عطاء من شعراء بنی امیہ ومداحیھم والمنصبی الھوی الیھم۔" (کتاب الاغانی جلد سادس عشر صفحہ ۷۸-۷۹)

[۱] عجائب الہند لبزرگ بن شہریار صفحہ ۲-۴

[۲] "المنصورۃ ھی قصبۃ السند ... لھم مروۃ وللاسلام عندھم طراوۃ والعلم واھلہ کثیر... اکثرھم اصحاب الحدیث ورأیت القاضی ابا محمد المنصوری داؤدیا اماما فی مذھبہ ولہ تدریس وتصانیف وقد صنف کتبا عدۃ حسنۃ۔" (احسن التقاسیم للمقدسی صفحہ ۷۹-۸۴)

[۳] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۲۳۶ ب، ۳/۴، ۵۴۳ ب، [۴] الکامل لابن الاثیر المجلد التاسع صفحہ ۱۳۹)

نھاجس کے بارے میں عوفی لکھتا ہے:

"و حضرت فیروز کوہ محط رجال و مہبط انوار فضل و افضال شد۔ شعراء عالی قبلہ حاجات خود آں را دانستند و فضلائے سامی مرتبت روئے بدان آوردند" (لباب الالباب حصہ اول صفحہ ۱۲۲)

پانچویں چھٹی صدی میں ہندوستان میں اسلامی ثقافت کا مرکز لاہور تھا۔ اس عہد کے مشاہیر فضلاء میں نظام الدین ابونصر ہبتہ اللہ الفارسی، ابو العلاء ابن یعقوب الکاتب، مخدوم سید علی ہجویری ثم اللاہوری سید الکتاب جمال الدین علی لاہوری، سراج الدین فصیح العجم ابن المنہاج اللاہوری، تقہ الدین جمال الفلاسفہ یوسف بن محمد الدربندی، خطیر الدین محمد بن عبدالملک الجرجانی، امام مجد الدین، ابوجعفر عمر بن اسحاق الوشی کا تذکرہ عوفی نے "لباب الالباب" میں اور عبدالصمد بن عبدالرحمٰن اللاہوری، ابوالحسن علی بن عمر اللاہوری، محمود بن محمدؒ اللاہوری، عمرو بن سعید اللاہوری وغیرہ ہم کا ذکر سمعانی اور یاقوت نے کیا ہے۔

ساتویں صدی میں شہاب الدین محمد غوری کی شہادت کے بعد ہندوستان میں اس کا جانشین قطب الدین ایبک ہوا۔ اس کے بعد التتمش سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کے زمانہ میں اسلامی ثقافت کا مرکز لاہور سے منتقل ہو کر دہلی آگیا، کیونکہ التتمش نے اب دہلی کو اپنا پایۂ تخت بنا لیا تھا۔ سلاطین و امراء کی سرپرستی کے علاوہ بین الاقوامی حالات نے بھی دہلی کو عروس البلاد اور قبۃ الاسلام بنا دیا فتنۂ تاتار کی وجہ سے عالم اسلام میں رستخیز برپا تھی۔ اس لیے اقصائے عالم سے اہل کمال ہندوستان چلے آرہے تھے۔ قاضی منہاج سراج نے "طبقات ناصری" کے اندر التتمش کے تذکرے میں لکھا ہے:

"ایں شہر بکثرتِ انعامات و شمول کرامات آں پادشاہ دیندار محط رجال آفاق گشت۔ و ہر کہ از حبائل حوادث بلاد عجم و نکبات کفار مغل بفضلِ ایزدی خلاص یافت ملاذ و ملجا و مہرب و مامن حضرت جہاں پناہ آں پادشاہ ساخت"[1]

قاضی منہاج سراج نے دوسرے مقام پر التتمش کی علماء نوازی کے بارے میں لکھا ہے:

"غالب ظن آں ست کہ ہرگز پادشاہے بحسن اعتقاد و آب دیدہ و تعظیم علماء و مشائخ مثل او از مادر خلقت در قماط سلطنت نیامدہ"[2]

اسی طرح عصامی التتمش کی معارف پروری کے بارے میں کہتا ہے:

بدہلی چناں تخت گاہے بساخت سپاہش در اقصائے آں ملک تاخت

---

[1] طبقات ناصری صفحہ ۱۶۶ [2] ایضاً صفحہ ۱۶۷

بسے سیدان صحیح النسب — رسیدند در وے ز ملک عرب
بسے عالمان بخارا نژاد — بسے زاہد و عابد از ہر بلاد
حکیمانِ یونان طبیبانِ روم — بسے اہل دانش ز ہر مرز و بوم
دراں شہر فرخندہ جمع آمدند ! — چو پروانہ برنورِ شمع آمدند !

(فتوح السلاطین صفحہ ۱۰۹-۱۱۰)

التتمش کے بعد پہلے اس کا بیٹا رکن الدین اور پھر بیٹی رضیہ تخت نشین ہوئے۔ اس کے بعد فتنہ و فساد شروع ہوا جس کے دوران میں کئی بادشاہ تخت پر بٹھائے گئے اور آخر میں اتارے گئے۔ آخرکار التتمش کا چھوٹا بیٹا ناصر الدین محمود تخت نشین ہوا۔ قاضی منہاج سراج نے اس کے بارے میں لکھا ہے :

"و آنچہ حق تعالیٰ از اوصاف اولیاء و اخلاق انبیاء در ذات معظم بادشاہ و بادشاہ زادہ ودیعت نہادہ است..... از تقویٰ و امانت و زہادت ... و کم آزاری و انصاف و بُردباری و محبتِ علماء و علم و مودت مشائخ و حلم با دیگر معانی گزیدہ ... باتفاق اہل عصر در ذات ہیچ بادشاہ از سلاطین ایام ماضیہ و ملوک قرون سالفہ نور اللہ مرقدہم جمع نبودہ۔"
(طبقاتِ ناصری صفحہ ۲۰۷)

ناصر الدین محمود کے بعد بلبن بادشاہ ہوا اس کی علمی سرپرستیوں کے بارے میں ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے :

"و بے حضور علماء دست بطعام نبردے و از علماء در وقت طعام خوردن مسائل دین پرسیدے و در مجلس طعام دانشمنداں در پیشِ او بحث کردندے و علماء آخرت و مشائخ ہر جادہ را بغایت حرمت داشتے و بدیدن بزرگانِ دین در خانہائے ایشاں برفتے و بعد از نماز جمعہ با چنداں کوکبہ و دبدبہ کہ او سوار شدے، در خانۂ مولانا برہان الدین بلخی فرو آمدے و تعظیم و توقیر آں عالم ربانی بواجبی محافظت نمودے و قاضی شرف الدین ولوالجی و مولانا سراج الدین سنجری و مولانا نجم الدین دمشقی را کہ علماء آخرت بودند تعظیم و حرمت بسیار کردے۔" (تاریخ ضیاء برنی صفحہ ۴۶)

آگے چل کر برنی نے عہد بلبنی کے مشاہیر علماء کی فہرست دی ہے :

"و ہم در عصر بادشاہی سلطان بلبن چندیں علماء سرآمدہ کہ از نوادر استاداں بودند، بر صدر افادت سبق گفتند چناں کہ مولانا برہان الدین بلخی و مولانا برہان الدین بزاز و مولانا نجم الدین دمشقی شاگرد مولانا فخر الدین رازی و مولانا سراج الدین سنجری و مولانا شرف الدین ولوالجی و صدر جہاں منہاج الدین جوزجانی و قاضی رفیع الدین

گادرونی و قاضی شمس الدین دہراجی و قاضی رکن الدین سامانہ و قاضی جلال الدین کاشانی پسر قاضی قطب الدین کاشانی و قاضی لشکر و قاضی سدید الدین و قاضی ظہیر الدین و قاضی جلال الدین و چندیں استادان و مفتیان و سر آمدگان کہ از شاگردان و پسران علما ءعہد شمسی در گفتن سبق و نوشتن جواب فتویٰ معتبر بودند۔" (ایضاً صفحہ ۱۱۱)

عہد بلبنی کے ان مشاہیر علما پر عمومی تبصرہ کرتے ہوئے برنی نے لکھا ہے :

"در جملہ عہد بلبنی بچندیں استادان و بزرگان کہ یکے از ایشاں اقلیمے را بپایہ پیراستہ بود۔" (ایضاً ص ۱۱۱-۱۱۲)

بلبن کے بعد اس کا پوتا کیقباد تخت نشین ہوا وہ تو بڑا عیش پرست تھا مگر اس کا مختار کل ملک نظام الدین بڑا ہنر پرور تھا۔ شہر کے جملہ باکمال اس کے یہاں جمع رہتے تھے۔[1]

ممالیک کے بعد خلجی بر سر اقتدار آئے۔ یہ لوگ خود تو عالم نہ تھے، بالخصوص علاء الدین تو اکھڑ فوجی تھا مگر تاریخ کا یہ اعجوبہ ہے کہ اس کا عہد قرون وسطیٰ کے ہندوستان کی علمی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے ضیاء الدین برنی نے اس کے عہد کے علما کی ایک بڑی طویل فہرست دی ہے :

"قاضی فخر الدین ناقلہ و قاضی شرف الدین سرباہی، و مولانا نصیر الدین غنی و مولانا تاج الدین مقدم و مولانا ظہیر الدین لنگ و قاضی مغیث الدین بیانہ و مولانا رکن الدین سنامی و مولانا تاج الدین کلاہی و مولانا ظہیر الدین بھکری و قاضی محی الدین کاشانی و مولانا کمال الدین کولی و مولانا وجیہ الدین پائلی و مولانا منہاج الدین قاینی و مولانا نظام الدین کلاہی و مولانا نصیر الدین کرّہ و مولانا نصیر الدین صابونی و مولانا علاء الدین تاج و مولانا کریم الدین جوہری و مولانا حجت ملتانی قدیم و مولانا حمید الدین مخلص و مولانا برہان الدین بھکری و مولانا افتخار الدین برنی و مولانا حسام الدین سرخ و مولانا وجیہ الدین لھو و مولانا علاء الدین کرک و مولانا حسام الدین ابن شادی و مولانا حمید الدین سنامی و مولانا شہاب الدین ملتانی و مولانا فخر الدین ہانسوی و مولانا فخر الدین شقاقل و مولانا صلاح الدین سترکھی و قاضی زین الدین ناقلہ و مولانا وجیہ الدین رازی و مولانا علاء الدین صدر الشریعہ و مولانا میران ماریکلہ و مولانا نجیب الدین ساوی و مولانا شمس الدین تم و مولانا صدر الدین گندھک و مولانا علاء الدین لاہوری و مولانا شمس الدین یحییٰ و قاضی شمس الدین گادرونی و مولانا صدر الدین قاری و مولانا معین الدین لونی و مولانا افتخار الدین رازی و مولانا معز الدین اندھنی و مولانا نجم الدین انتشار۔" (ایضاً صفحہ ۳۵۲)

یہ تو وہ علما ہیں جن سے ضیاء الدین برنی واقف تھے۔ ان میں سے بعض کے سامنے انھوں نے زانوئے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء برنی ص ۱۶۹

تلمذ تو نہ کیا تھا اور بعض کے درس میں حاضر رہ کر ان کی زیارت کی تھی - ان کے علاوہ اور بھی بے شمار علماء تھے -

بہر حال اپنے عہد کے افاضل کی علمیت کے بارے میں برنی نے لکھا ہے :

" و در تمامی عصر علائی در دار الملک دہلی علماء بودند کہ آنچناں استاداں کہ ہر یکے علامہ وقت بود ، در بخارا و سمرقند و بغداد و مصر و خوارزم و دمشق و تبریز و صفاہان و رے و روم و ربع مسکون نباشند - در ہر علمے کہ فرض کنند از منقولات و معقولات و تفسیر و فقہ و اصول فقہ و معقولات و اصول دین و نحو و لغت و معانی و بدیع و بیان و کلام و منطق موی می شگافتند و ہر سالے چندیں طالبان علم از استادان سر آمدہ بدرجہ افادت و مستحق جواب دادن فتویٰ می شدند - و بعضے ازاں استادان در فنون علم و کمالات علوم بدرجہ غزالی و رازی رسیدہ بودند" (ایضاً صفحہ ۳۵۲)

تغلق خاندان کے بانی غیاث الدین نے تو صرف چار سال ہی حکومت کی - مگر اس کا بیٹا محمد تغلق جس طرح اپنے قہر و سطوت کے لیے مشہور ہے اپنے علم و فضل میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا - علوم متداولہ میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا ، مگر بد قسمتی سے اسے فلسفہ و معقولات ہی سے دل چسپی تھی - برنی نے لکھا ہے :

" و در معقولات فلاسفہ رغبتے تمام داشت و چیزے از علم معقول خواندہ بود - و در طبیعت او چناں جائے گرفتہ کہ ہر چہ خبر معقول بشنیدے بہ یقین باور نہ کردے - فی الجملہ کدام فاضل و عالم و شاعر و دبیر و ندیم و طبیب را زہرہ آں بودے کہ در خلوت سلطان محمد مقدمہ در علم خود بحسب دانش خود تقریر تواند کرد" (ایضاً صفحہ ۴۶۳)

اور اسی "معقولات پسندی" کے نتیجہ میں اس نے بے شمار علماء و مشائخ کو قتل کرایا[1] مگر با ایں ہمہ ظلم و تشدد اس کے عہد میں علماء کی تعداد سینکڑوں تک پہنچی ہے - جن میں سے بعض مشاہیر حسب ذیل ہیں :

عضد الدین دہلوی ، سعد الدین منطقی ، علم الدین شیرازی ، احمد بن شہاب دہلوی ، جمال الدین مغربی ضیاء الدین نخشبی ، معین الدین عمرانی ، تاج الدین خوارزمی ، معین الدین باخرزی ، محمد بن شمس نعمانی ، شمس الدین دامغانی محمد بن برہان ہانسوی ، فخر الدین عثمان ملیباری ، عز الدین زبیری ، وجیہ الدین بیانوی ، قاضی خاصہ کمال الدین ساما نوی ، کریم الدین سمرقندی ، فصیح الدین ہروی ، فخر الدین زرادی ، عماد الدین غوری ، عفیف الدین کاشانی ، عثمان

---

[1] از جہت آنکہ معقولات فلاسفہ کہ مایہ قساوت و سنگدلی است ، تمامی دل او را فرو گرفتہ بود ..... سیاست مسلماناں و قتل موحداں خوئے و طبیعت او گشتہ و چندیں علماء و مشائخ و سادات و صوفیان و قلندران و نویسندگان و لشکریاں را سیاست فرمودہ ، و آنکہ روزے و ہفتہ نمی گذشت کہ خون چندیں مسلماناں نمی ریختند و جوئے خون پیش داخول در سرائی می راندند از اثر قساوت علم معقولات و از فقدان اعتقاد علم منقولات بود " (تاریخ برنی صفحہ ۴۶۵ - ۴۶۶)

بن داؤد ملتانی، شمس الدین چندیروی، عبدالدین دہلوی۔ عبدالعزیز اردبیلی، بدرالدین معبری، دانیال بن حسن سترکھی، قاضی رکن الدین کاشانی، شہاب الدین زاہدی، صدرالدین بھکری وغیرہم"۔

ان میں زیادہ شہرت مولانا معین الدین عمرانی کو ہوئی، وہ "استاد شہر دہلی" کہلاتے تھے۔ محمد تغلق نے انھیں کو شیراز قاضی عضد الدین الایجی (مصنف "المواقف فی الکلام") کو بلانے کے لیے بھیجا تھا۔ مگر ابواسحاق انجو والی شیراز کے احسانات نے انھیں ہندوستان نہیں آنے دیا، چنانچہ میر غلام علی آزاد نے "سبحۃ المرجان" میں لکھا ہے:

ارسل السلطان محمد بن تغلق شاہ والی الھند المتوفی سنہ ثنتین وخمسین وسبعمائۃ الی القاضی عضد الدین الایجی بشیراز واتحف الیہ ھدایا غیر محصورۃ والتمس بالھند قدومہ واستسقی لھذہ الارض غیومہ فامسکہ السلطان ابواسحاق ودرج تقییدہ بسلسلۃ الاحسان علی الاطلاق"۔ (سبحۃ المرجان)

"سلطان محمد بن تغلق شاہ والی ہند (المتوفی ۷۵۲ ھ) نے انھیں (معین الدین عمرانی کو) قاضی عضد الدین ایجی کے پاس بے شمار ہدایا و تحفہ کے ساتھ بھیجا تھا اور ان سے ہندوستان تشریف لانے اور اس سرزمین کو اپنے ابر فیض سے سیراب کرنے کی درخواست کی تھی۔ لیکن سلطان ابواسحاق انجو نے انھیں روک لیا اور ان کے پاؤں میں اپنے احسان کی زنجیریں ڈال دیں"۔

قاضی عضد الدین الایجی کی "المواقف" علم کلام کی ادبیات عالیہ میں محسوب ہوتی ہے۔ چنانچہ مصنف اور تصنیف کے بارے میں خواجہ حافظ کہتے ہیں:

دگر شہنشۂ دانش عضد کہ در تصنیف　　بنائے کار مواقف بنام شاہ نہاد

بہت سے ملوک و سلاطین اس کتاب کو اپنے نام معنون کرانا چاہتے تھے، جس کی طرف قاضی عضد نے "المواقف" کے دیباچہ میں "خاطبیھا" کے ذریعہ اشارہ کیا ہے۔ ان "خاطبیھا" (طلبگاروں) میں محمد بن تغلق بھی تھا، چنانچہ میر سید شریف جرجانی نے "شرح المواقف" کے اندر اس "خاطبیھا" کی شرح میں لکھا ہے:

"ومن جملۃ خاطبیھا سلطان الھند محمد شاہ الجونہ"۔

"اور اس کتاب کے طلبگاروں میں سے ایک طلبگار (جو اپنے نام پر اسے معنون کرانا چاہتا تھا) محمد تغلق بھی تھا"۔

اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار" میں لکھا ہے :

"چنیں گویند کہ سلطان محمد تغلق کہ قاضی عضد را بدیار ہندوستان طلبیدہ د توشیح متن مواقف بنام خود التماس نمودہ، ہم مولانائے مذکور را فرستادہ بود و آثار فضل و دانش ازوے از انجا بظہور آمدہ"۔

(اخبار الاخیار صفحہ ۱۴۴)

لیکن قاضی عضد نے علم کلام کا یہ شاہکار ابو اسحٰق انجو ہی کے نام پر معنون کیا۔ بہر حال اس سے محمد تغلق کے علمی رجحان کا پتہ چلتا ہے۔

محمد تغلق کے بعد فیروز تغلق تخت نشین ہوا۔ وہ نہ تو اپنے پیشرو کی طرح سفاک تھا اور نہ ایسا جید عالم پھر بھی اس نے علمی سرپرستی کی سابقہ روایات کو جاری رکھا بہت سے مدرسے بنوائے۔ پرانے مدرسوں کی تجدید کرائی، اور علما و مدرسین کے مدد معاش کے لیے بہت سے گاؤں وقف کیے۔ چنانچہ نظام الدین ہروی "طبقات اکبری" میں لکھتا ہے :

"و آنچہ از بنا، عمارات و بقاع خبر او یافتہ شد باین شرح است ..... مدرسہ ۳۰ عدد.. و بر ہر یک از عمارات وقف نامہا نوشتہ و موقوفات بران تعیین ساختہ و اہل خدمت بجمیع مساجد و مدارس و خوانق و حمام و چاہ معین ساختہ و وظیفہ قرار دادہ و تفصیل این ہا دور و دراز است"۔ (طبقات اکبری ص ۱۲۱)

ان میں دو مدرسے بہت زیادہ مشہور تھے: مدرسہ فیروز شاہی جہاں کی صدارت اس نے مولانا جلال الدین رومی کو جو قطب الدین رازی کے شاگرد تھے[1] تفویض کی اور اس کے مقابل بالا بند سیری کا مدرسہ جہاں مولانا نجم الدین سمرقندی کو صدر مدرس مقرر کیا تھا۔

مدرسہ فیروز شاہی کے بارے میں برنی نے لکھا ہے :

"دوم از بناہائے مبارک خداوند عالم مدرسہ فیروز شاہی است کہ بس بو العجب عمارت بر سر حوض علائی بنا شدہ است و عمارتِ مدرسہ مذکور را در رفعت گنبد ہا و شیرینی عمارتہا و موازین صحنہا و لطافت نشست جائہا و محل ہائے مروج و صفہائے دلآویز گوئے لطافت از عمارت ہائے کہ در عالم معروف است ربودہ است و عجب عمارتے و بو العجب بنائے کہ ہر کہ از مقیمان و مسافران در مدرسہ فیروز شاہی در می آید ،

---

[1] چنانچہ شیخ عبدالحق "اخبار الاخیار" ص ۰۵ کے اندر سید یوسف بن سید جمال الحسینیؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"او شاگرد او مولانا جلال الدین رومی ست کہ از تلامذہ مولانا قطب الدین رازی شارح شمسیہ و مطالع ست"۔

ہم چنیں تصور می کند کہ مگر در بہشت در آمدہ و یا در فردوس اعلیٰ جائے یافتہ ... و مولانا جلال الدین رومیؒ کہ بس استاد سے متفنن است دائماً در منصب افادت سبق علوم دینی می گوید و متعلمان را ہموارہ تعلیم می کنند و تفسیر و حدیث و فقہ می خوانند۔"[۱]

اسی طرح انھوں نے مدرسہ بالا بند سیری کی تعریف میں فرمایا ہے:

"و سوم بنائے مبارک سلطان فیروز شاہی در دار الملک دہلی عمارت بالا بند سیری است ... درایں ایام در آنجا از عواطف بادشاہ اسلام درسی معظم بنا شدہ و مولانا و سید الائمہ و العلما نجم الملۃ والدین سمرقندی را کہ از نوادر اساتذہ است دراں عمارت مبارک مدرس گشتہ واو را وجہہ داد را و انعام تعیین شدہ و چندیں متعلمان را آنجا نان کردہ اند و ہر روز بخدمت استاد مذکور علوم دینی درس می کنند۔ و ہموارہ بدعائے مزید عمر بادشاہ مشغول می باشند۔" (تاریخ ضیاء برنی ص ۵۶۴)

مولانا جلال الدین رومیؒ جو مدرسہ فیروز شاہی کے صدر تھے، اُن کی تعریف میں مطہر کہتا ہے:

گفتم ایں عالم آفاق جلال الدین است ۔۔۔ رومی آں کز نسبتش بے کند در روم فخار
راوی ہفت قرأت سند چار دہ علم ۔۔۔ شارح پنج سنن مفتی مذہب ہر چار
گر بخواہی مثنوی سحر حلال سخنش! ۔۔۔ یک زماں گوش دل و ہوش بقولش بسپار
پس شنیدیم ز گفتارش انواع علوم ۔۔۔ اخذ کردیم ز تفسیر اصول و اخبار

ان دو فاضلوں کے علاوہ اور بھی باکمال تھے جیسے قاضی جلال الدین کرمانی، مولانا شمس الدین باخرزی، شیخ یوسف چشتی، شیخ یوسف بن جمال ملتانی وغیرہم - امرا، فیروز شاہی میں تاتارخاں اور اعزالدین خالدخانی اپنے ذوق علم و علما نوازی کے لیے تاریخ میں خاص طور سے مشہور ہیں۔ تاتارخاں خود عالم تحریر تھا۔ شمس سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ وہ "تفسیر تاتارخانی" کا مصنف تھا[۲] - لیکن اس کا نام "فتاوائے تاتارخانیہ" کے لیے مشہور ہے[۳]۔ جیسے مولانا عالم بن علاء

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی از برنی صفحہ ۵۶۲، ۵۶۴ -

[۲] "مدام دعلی الدوام در صحبت تاتارخاں اہل عظام علمائے کرام و مشائخ خوش نام می بودند۔ تفسیر تاتارخانی کہ در جہاں مشہور است، آں تفسیر جمع کردہ تاتارخاں بود چنیں گویند راویان روایات و حاکیان حکایات کہ تاتارخاں خواست کہ تفسیرے مفصل مرتب کند، تمام تفاسیر را جمع کنانیدہ جماعۂ علما را حاضر گردانیدہ - در ہر

(باقی بر صفحہ ۳۰)

اندرپتی نے محیط برہانی، ذخیرہ خانیہ اور ظہیریہ کی مدد سے ابواب ہدایہ کے نہج پر مدوّن کیا تھا۔ فیروزشاہ کی خواہش تھی کہ حنفی فقہ کا یہ شاہکار اس کے نام پر معنون ہو، مگر یہ شرف ازل سے تاتارخاں کے نصیب میں مقدر ہو چکا تھا اور ہر چند کہ مصنف نے اس کا نام "زاد السفر" رکھا مگر کوئی اس نام سے اس کو نہیں جانتا۔ سب فتاوائے تاتارخانیہ ہی کہتے ہیں[۱] ۔ اعزالدین خالد خانی نے حکمت طبیعی اور نجوم وغیرہ میں ایک کتاب "دلائل فیروزشاہی" کے نام سے تصنیف کی تھی[۲] نگرکوٹ کے مال غنیمت میں ایک سنسکرت کتاب "باراہی سنگھتا" ملی تھی۔ اس کا ترجمہ فیروز تغلق کے ایماء سے مولانا عبدالعزیز دہلویؒ نے کیا تھا[۳]

خودمختار سلطنتوں کا قیام

فیروز تغلق کی وفات کے کچھ ہی دن بعد تیمور نے حملہ کیا جس سے ملک کی سالمیت پارہ پارہ ہو گئی، مگر انتشار اور طوائف الملوکی کی ابتداء تو خود محمد تغلق ہی کے زمانہ سے ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے دکن کی بہمنی حکومت کی بنیاد پڑی۔ جہاں حسن گنگو بہمنی اور اس کی اولاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) آیتے و کلمہ آں قدر مفسّران گذشتہ کہ اختلاف نوشتہ بودند، تاتارخاں آں جمیع اختلاف در تفسیر خویش نوشتہ بود۔ برائے تالیف تفسیر بدل و جان نشست و در ہر یک اختلاف حوالہ بدال صاحب تفسیر کردہ۔ گوئی جملہ تفاسیر در یک تفسیر جمع گردانیدہ۔ چوں آں تفسیر مرتب گشتہ تاتارخاں آں تفسیر را تفسیر تاتارخانی نام داشتہ" (تاریخ فیروزشاہی از شمس سراج عفیف صفحہ ۳۹۱، ۳۹۲)

[۱] "و ہم چنیں خان اعظم طالب دیں یک فتاوی را ساخت کنانیدہ۔ و آں بریں نوع بود کہ جملہ نسخ فتاویٰ شہر دہلی بر خویش جمع کرد در ہر مسئلہ و در ہر کلمہ کہ اختلاف ہر یک مفتی است، در فتاوی خود نوشتہ و آں را فتاوائے تاتارخانی نام داشتہ و اختلاف ہر یک مفتی حوالہ بصاحب آں فتاوی کردہ۔ ایں چنیں فتاوی موازنہ سی جلد مرتب شدند" (ایضاً ص ۳۹۲)

[۲] نزہۃ الخواطر جلد ثانی ص ۶۷

[۲] طبقات اکبری مطبوعہ نول کشور پریس، ص ۱۱۷

[۳] اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ حبیب گنج میں تھا۔ اب غالباً آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے۔

نے ۸۴۷ھ سے ۹۳۴ھ تک سلطنت کی۔ اس کے بعد غدار امراء نے ملک کو پانچ حصوں میں بانٹ لیا۔

۷۷۶ھ میں جون پور کی حکومت کا آغاز ہوا جہاں کچھ دن بعد شرقی خاندان نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ اور ۸۸۱ھ تک پورب میں فرماں روائی کرتے رہے۔

مالوہ اور منڈو کی مستقل حکومت ۸۰۷ھ میں قائم ہوئی، اور ۹۷۹ھ تک باقی رہی جبکہ اکبر نے اسے فتح کر کے سلطنت مغلیہ میں شامل کیا۔

گجرات کی سلطنت ۷۹۴ھ سے شروع ہو کر ۹۹۱ھ تک باقی رہی۔ اسے بھی اکبر نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

ان کے علاوہ خاندیش، بنگال، سندھ، ملتان اور مالابار میں بھی مقامی حکومتیں قائم ہو گئیں۔

مگر اس طوائف الملوکی کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ہر سلطنت اپنی جگہ علم وادب کی سرپرستی کے لیے کوشش کرنے لگی اور سلاطین وقت علماء وفضلاء کی تربیت میں ایک دوسرے سے گوئے سبقت لے جانے پر اصرار کرنے لگے۔

اس عہد کی سب سے بارونق اسلامی سلطنت گجرات تھی۔ یہاں کے حکمرانوں میں احمد شاہ (۸۱۴-۸۴۵) اور محمود بیگرہ (۸۶۲-۹۱۷) اپنی معارف پروری کے لیے مشہور ہیں۔ اس سلطنت کا خاص کارنامہ "فتاوائے حمادیہ" کی تدوین ہے جسے قاضی حماد الدین گجراتی کے ایماء سے مفتی رکن الدین ناگوری اور ان کے صاحبزادے مفتی داؤد نے مرتب کیا۔ دوسرے علما میں شیخ تاج الدین نہروالی، شیخ حسین بن محمد بھڑوچی، شیخ حسن بن محمد گجراتی، شیخ سراج الدین گجراتی، قاضی علم الدین شاطبی، مولانا قاسم بن محمد گجراتی، شیخ کبیر الدین ناگوری، شیخ محمد بن حسین پٹنی، قاضی علی بن عبد الملک گجراتی، شیخ محمود بن محمد گجراتی ان کے شاگرد شیخ راجح بن داؤد محدث، مولانا محمد بن تاج (تاج العلماء) مولانا حبیب اللہ گجراتی، مولانا شمس الدین محمد بن محمد گجراتی، مولانا صدر جہاں گجراتی مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ عرب وعجم کے علما نے بھی آکر دربار احمد آباد کی رونق بڑھائی۔ ان میں محقق دوانی کے تلامذہ ابوالفضل گازرونی، ابوالفضل استرآبادی اور ملا عماد طارمی خاص طور پر مشہور تھے۔ اُن کی وجہ سے اس دربار میں معقولات کی گرم بازاری ہوئی، وزیر عبدالعزیز ابوالفضل گازرونی ہی کا شاگرد تھا۔

اس عہد کی دوسری باشوکت سلطنت دکن کی دولت بہمنیہ تھی۔ بہمنی سلاطین میں فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰-۸۲۵) احمد شاہ بہمنی (۸۲۵-۸۳۸) اور علاؤ الدین بہمنی علم و ادب کی سرپرستی کے لیے مشہور ہیں۔ فیروز شاہ نے فضل اللہ بن فیض اللہ سے جو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد تھے، کسب علم کیا تھا[1] وہ اپنے عہد کا جید عالم تھا اور باوجود مشاغل حکومت کے ہفتہ میں تین دن تفسیر زاہدی، شرح مقاصد، مطول، شرح تذکرہ اور تحریر اقلیدس کا طلبہ کو درس دیا کرتا تھا[2] اس نے بالا گھاٹ کے پاس رصدگاہ بنوانے کا بھی ارادہ کیا تھا، مگر بعض وجوہ سے یہ منصوبہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا[3] مشاہیر علما میں شیخ حسین بن محمد دہلوی، قاضی ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی، مولانا عبدالغنی منڈوی، قاضی فخر الدین ملتانی، شیخ محمد بن عین الدین بیجاپوری اور مولانا نجم الدین گلبرگوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ لیکن قبول عام شیخ علاء الدین علی بن احمد المہائمیؒ کو نصیب ہوا۔ اُن کی "تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان" تفسیری ادب میں خاص مقام رکھتی ہے۔

ملتان کا علاقہ زرخیز تو نہیں رہا مگر ہمیشہ سے مردم خیز ضرور رہا ہے۔ یہاں کے علما میں سے مولانا ثناء الدین اپنے وطن میں تکمیل کرنے کے بعد ایران گئے، جہاں میر سید شریف جرجانیؒ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ واپس آکر اس علاقہ میں معقولات کی تعلیم کو رواج دیا۔ اُن کے شاگرد مولانا فتح اللہ اور مولانا سماء الدین تھے۔ اول الذکر کے شاگرد مولانا عبداللہ طلبنی اور مولانا عزیز اللہ ملتانی تھے۔ اُن کے بارے میں وزیر عماد الملک نولک نے شاہ حسین بادشاہ ملتان سے کہا تھا۔

"دفاما مملکت ملتان مردم خیز است چہ بزرگان ملتان ہر جا کہ رفتند معزز و محترم گشتند ... از طبقہ علمااش مولانا فتح اللہ و شاگرد او مولانا عزیز اللہ از خاک ملتان مخلوق شدہ اند کہ اکثر ہندوستان بوجود ایں عزیزان افتخار کنند۔" (تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۲۷-۳۲۸)

---

[1] "واز برکت میر فضل اللہ انجو کہ از شاگردان خوب ملا سعد الدین تفتازانی است، آں شہنشاہ بے نظیر ایں ہمہ کسب حیثیت و فضیلت نمودہ بود۔" (تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۳۰۸)

[2] "و در ہفتہ سہ روز شنبہ و دوشنبہ و چہارشنبہ درس می گفت۔ بدیں تفصیل زاہدی و شرح تذکرہ در ریاضی و شرح مقاصد در کلام و تحریر اقلیدس در ہندسہ و مطول ملا سعد الدین در علم معانی و بیان (ایضاً صفحہ ۳۰۸)

[3] "و در ۸۱۰ھ عشر و ثمان مائۃ سلطان فیروز شاہ... حکم فرمود کہ در بالا گھاٹ دولت آباد رصد بندند... لیکن بنا بر بعضے امور... رصد تمام نہ شد و آں کار ناتمام بماند۔"

مولانا عبد اللہ تلنبی اور مولانا عزیز اللہ ملتانی ہی نے دہلی آکر یہاں معقولات کی تعلیم کو ترقی دی ورنہ اس سے پہلے ہندوستان کے اندر کلام میں "شرح صحائف" اور منطق میں "شرح شمسیہ" (قطبی) سے زیادہ کی تعلیم کا رواج نہ تھا جیسا کہ بدایونی نے لکھا ہے:

"و از جملہ علمائے کبار در زمان سکندر شیخ عبد اللہ طلنبی در سنبھل بودند۔ و ایں ہر دو عزیز ہنگام خرابی ملتان ہندوستان آمدہ علم معقول را دراں دیار رواج دادند۔ و قبل ازیں بغیر شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق و کلام در ہند شائع نہ بود۔" (منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۲۳)

اسی طرح مولانا سماء الدین بھی ملتان چھوڑ کر پہلے بیانہ اور پھر دہلی پہنچے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:

"از ملتان بنا بر بعضے وقائع کہ دراں دیار واقع شدہ بر آمد۔" (اخبار الاخیار صفحہ ۲۱۱)

دوسرے صوبوں کی سیاسی و ثقافتی تاریخ موجب تطویل ہوگی۔ اس لیے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ البتہ جون پور کی تاریخ تفصیل سے بیان کی جا رہی ہے۔

دہلی کی ثقافتی روایات کا تسلسل

آٹھویں صدی کے آغاز میں دہلی کے اندر جو مشاہیر علما تھے اُن کی فہرست بحوالہ برنی علاء الدین کے زمانہ کے سلسلے میں اوپر بیان ہو چکی ہے۔ ان میں مولانا ظہیر الدین بھکری بھی تھے۔ ان کے تلامذہ میں مولانا شمس الدین یحیٰی خاص طور سے مشہور ہیں۔ صاحب "اخبار الاخیار" لکھتے ہیں:

"مولانا شمس الدین یحیٰی قدس سرہٗ .... از مشاہیر علمائے شہر بود۔ بیشتر مردم شہر در تلمذ بوے انتساب مے کردند و باں نسبت مفتخر و مبتہج می بودند۔ از اودھ بدہلی از برائے تحصیل علم رو آوردہ بود..... روزے وے با مولانا صدر الدین نادی بخدمت شیخ (شیخ نظام الدین اولیاء) آمد و شیخ پرسید: در شہر می باشید و چیزے تعلم می کنید؟ گفتند آرے بخدمت مولانا ظہیر الدین بھکری اصول بزودی می خوانیم۔" (صفحہ ۹۷)

مولانا شمس الدین یحیٰی اس سے پہلے اودھ میں مولانا فرید الدین شافعی کے درس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق نے مولانا علاء الدین نیلی کے تذکرہ میں بھی لکھا ہے:

"مولانا علاء الدین نیلی از علمائے اودھ بود..... پیش مولانا فرید الدین شافعی کہ شیخ الاسلام اودھ بود کشاف می خواند، مولانا شمس الدین یحیٰی و علمائے اودھ سامع بودند۔" (اخبار الاخیار صفحہ ۹۳)

مولانا شمس الدین یحییٰ کے عقیدت مندوں میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی بھی تھے۔ جنھوں نے ان کی تعریف میں لکھا تھا۔

سالت العلم من احیاک حقا فقال العلم شمس الدین یحییٰ

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے سلسلے میں طلب علم پر بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا، چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:

"طریقۂ شیخ نصیر الدین محمود و اکثر خلفائے ایشاں ایں بود۔ وصیت او بطالبان اشتغال علم و حفظ شریعت بود۔ گفتے: فکر در یک مسئلۂ شرعی فضل دارد بر ہزار رکعتے کہ شوب بعجب و ریا کنند۔" (اخبار الاخیار ص ۱۵)

یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء شہر ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ ان میں تین بزرگ خاص طور سے مشہور ہیں۔ قاضی عبد المقتدر شریحی، مولانا خواجگی اور مولانا احمد تھانیسری۔

قاضی عبد المقتدرؒ کے بارے میں صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں:

"قاضی عبد المقتدر رحمہ اللہ علیہ ابن قاضی رکن الدین الشریحی الکندی خلیفہ شیخ نصیر الدین محمود است فیاض بود، درویش کامل، استاد قاضی شہاب الدین ست وبغایت فصیح و بلیغ بود و قصائد و غزل دارد بزبان عربی قصیدہ او کہ در معارضہ لامیۃ العجم گفتہ است ولالت دارد بر کمال فصاحت او۔ دائم درس می گفت و بافادۂ علم مشغول بود۔" (ایضاً صفحہ ۱۵۰)

اسی طرح میر غلام علی آزاد نے "مآثر الکرام" میں لکھا ہے:

"سر آمد روزگار و در فضائل صوری و معنوی عظیم الاقتدار است۔" [1]

اسی طرح انھوں نے "سبحۃ المرجان" میں لکھا ہے:

"هو عالم مقتدر على العلوم الصورية والمعنوية وكوكب دری انار الآفاق بالّلوامع القدسية"۔ [2]

حضرت چراغ دہلیؒ ہمیشہ طلب علم کے لیے ان کی ہمت افزائی کرتے رہتے تھے۔ صاحب "اخبار الاخیار" لکھتے ہیں:

"گویند کہ وے در آوان طالب علمی پیش شیخ نصیر الدین محمود می رفت و بحث می کرد و شیخ او را و بحثہائے او را

---

[1] مآثر الکرام صفحہ ۱۸۳ [2] سبحۃ المرجان

نیکو دوست داشتے و اورا تحریص کردے بر تحصیل علم تا انجام کار مرید شیخ شد۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۱۵۰)

قاضی عبد المقتدر نے اٹھاسی سال کی عمر میں ۷۹۱ ھ کے اندر وفات پائی۔ اُن کے ارشد تلامذہ میں اُن کے پوتے شیخ ابو الفتح بن عبد الحی اور ملک العلما، قاضی شہاب الدین تھے۔ یہ دونوں بزرگ فتنۂ تیموری کے زمانہ میں جون پور چلے گئے تھے۔

مولانا معین الدین عمرانی اپنے عہد میں علمائے دہلی کے استاد تھے۔ آزاد بلگرامی نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

"از علمائے فحول در جملہ فروع و اصول بود و استاد شہر دہلی رحمہ اللہ تعالیٰ" [۱]

اسی طرح سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں:

"ھو المدار علیہ للافاضل و المشار الیہ بالانامل وقیم التدریس فی دھلی المحروسة والمنوط بہ مھماتہ المعقولة والمحسوسة" [۲]

"وہ افاضل شہر کو اُن پر اعتماد ہے۔ انھیں کی طرف شہرت کی انگلیاں اٹھتی ہیں۔ شہر دہلی میں درس و تدریس کے وہی ذمہ دار ہیں اور علوم معقولہ و محسوسہ کی تعلیم کے اہم امور انھیں سے متعلق ہیں"۔

سلطان محمد تغلق نے انھیں قاضی عضد الدین الایجی کے بُلانے کے لیے شیراز بھیجا تھا۔ اس کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ قاضی عضد الدین تو نہیں آئے مگر مولانا معین الدین عمرانی وہاں اپنی علمیت کی دھاک بٹھال آئے۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"مولانا معین الدین عمرانی وقتے کہ بہ خطہ شیراز وارد شد، در آنجا آثار فضل و دانش از وے بظہور رسید و بہ مزید اعزاز و اکرام اختصاص یافت" [۳]

مولانا معین الدین عمرانی کے شاگرد رشید مولانا خواجگی تھے۔ صاحب "اخبار الاخیار" لکھتے ہیں:

"مولانا خواجگی رحمۃ اللہ علیہ مرید و خلیفہ شیخ نصیر الدین محمود شاگرد مولانا معین الدین عمرانی و استاد قاضی شہاب الدین است" [۴]

---

[۱] مآثر الکرام صفحہ ۱۸۴۔ اسی طرح اخبار الاخیار (صفحہ ۱۴۴) میں ہے: "مولانا معین الدین عمرانی دانشمند عظیم و استاد شہر بود۔ حواشی کنند و حسامی و مفتاح تصنیف اوست"۔

[۲] سبحۃ المرجان [۳] مآثر الکرام صفحہ ۱۸۵ [۴] اخبار الاخیار صفحہ ۱۴۳

مولانا معین الدین عمرانیؒ کو صوفیائے کرام سے کوئی عقیدت نہ تھی۔ اتفاقاً کھانسی کی شکایت نے بہ شدت اختیار کی کہ اطبا نے جواب دے دیا۔ مجبوراً شاگرد رشید کے اصرار سے حضرت شاہ چراغ دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کے یمن و برکت سے شفا پائی۔ بہر حال مولانا خواجگی شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے سلسلہ کے مطابق درس و تدریس میں زندگی بسر کرتے تھے۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔

"و بر طریقہ اثیقہ حضرت مرشد و برادران طریقت قدس اللہ اسرارہم شغل درس پیش گرفت۔ ہموارہ بہ دانش آموزی می پرداخت و طائفہ تحصیلیاں را از سرمایہ علوم بہرہ مندمی ساخت"[۱]

حملۂ تیموریہ سے کچھ پہلے میر سید محمد گیسو درازؒ نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں تیموری حملے کا انذار تھا۔ اکثر علماء و صلحاء نے اس انذار سے متنبہ ہو کر دہلی کو چھوڑ دیا اور دوسرے شہروں میں چلے گئے۔ انھیں میں مولانا خواجگی بھی تھے وہ بھی اپنے شاگرد رشید قاضی شہاب الدین کے ہمراہ دہلی چھوڑ کر کالپی پہنچے[۲] بعد میں قاضی شہاب الدین تو جون پور چلے گئے مگر مولانا خواجگی وہیں ٹھہر گئے اور ۸۰۹ھ میں وہیں وفات پائی۔

مولانا احمد تھانیسری بھی حضرت چراغ دہلیؒ کے مرید تھے اور مولانا خواجگیؒ سے طریقۂ مواخاۃ رکھتے تھے مگر فترتِ تیموری کے زمانہ میں دہلی ہی میں ٹھہرے رہے۔ تیموری سپاہ نے جب شہر کو لوٹا تو انھیں بھی متعلقین کے ساتھ قید کر کے لے گئے۔ کچھ دن بعد رہا ہوئے اور تیمور کے دربار میں پہنچے۔ وہاں اُن سے اور شیخ الاسلام سے جو صاحب ہدایہ کے پوتے ہوتے تھے نشست میں تقدم و تاخر کے معاملے میں گفتگو ہوئی۔ تیمور نے نبیرۂ ہدایہ کی جانب داری کی اور کہا، آپ کو معلوم ہے یہ صاحب ہدایہ (مولانا برہان الدین مرغینانی) کے پوتے ہیں۔ مولانا احمد نے برجستہ جواب دیا۔ کوئی بات نہیں، آخر آپ کے جدّ امجد سے بھی تو ہدایہ میں جا بجا غلطیاں ہوئی ہیں۔ اگر ان سے بھی ایک غلطی ہوئی تو کیا ہرج ہے شیخ الاسلام کو بڑا ناگوار ہوا اور انھوں نے مطالبہ کیا بتائیے میرے دادا سے کیا غلطیاں ہوئی ہیں۔ اس پر مولانا احمد نے اپنے لڑکوں اور شاگردوں کی طرف اشارہ کیا کہ لیجیے یہ اُن اغلاط پر تقریر کرتے ہیں۔ تیمور نے ماوراء النہر کی علمی ناموس کا خیال کر کے اگلی

---

[۱] مآثر الکرام صفحہ ۱۸۵

[۲] مولانا خواجگی پیش از آمدن امیر تیمور گورگان بنا بر رویا صالحہ کہ میر سید محمد گیسو دراز دیدہ بودند و از آمدن مغل اخبار نمودہ از دہلی برآمدہ بکالپی رسیدہ، متوطن شدہ و درہماں جا بسر برد۔ مقبرہ ایشاں بیروں شہر کالپی است بیزار و متبرک بہ (اخبار الاخیار ص۱۴۲)

مجلس کے نام سے بات ختم کر دی۔[1]

تیمور مولانا احمد کو بھی دیگر فضلائے ہند کی طرح ماوراء النہر لے جانا چاہتا تھا، وہ راضی نہ ہوتے اور کسی طرح شہر سے نکل کر اپنے اہل و عیال سمیت کالپی چلے گئے۔ وہاں مولانا خواجگی پہلے ہی سے تھے۔ مولانا احمد نے ان کے ساتھ قدیم طریقہ "مواخاۃ" کو سلوک رکھا۔ بعد میں وہیں کالپی میں وفات پائی۔ مگر اُن کے لڑکے جون پور چلے گئے۔ انھوں نے باپ کے طریقہ کو ترک کر دیا، اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین کے ساتھ جو مولانا خواجگی کے پسر معنوی تھے حسد کرنا شروع کیا۔[2]

جون پور کے شرقی سلاطین کا مورثِ اعلیٰ ملک سرور تھا، جسے سلطان ناصر الدین محمود شاہ (۷۸۹ھ - ۷۹۶ھ) نے اپنا وزیر بنا کر خواجہ جہاں کا خطاب دیا تھا۔ ناصر الدین کی وفات پر اس کا بیٹا محمود شاہ سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس نے ملک سرور کو "سلطان الشرق" کا خطاب دے کر پورب کا انتظامِ حکومت اس کے سپرد کیا۔ ملک سرور نے ۸۰۲ھ میں وفات پائی۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لیے اس کا لے پالک بیٹا ملک قرنفل اس کا جانشین ہوا۔ چونکہ تیمور کے حملہ کے بعد دہلی کی سلطنت بہت زیادہ کمزور ہو گئی تھی، اس لیے ملک قرنفل نے مبارک شاہ کے نام سے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

مبارک شاہ نے ۸۰۴ھ میں وفات پائی اور اس کا چھوٹا بھائی ابراہیم شاہ شرقی اس کی جگہ تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ عرصہ تک وہ بادشاہ دہلی کے ساتھ مصروف پیکار رہا، پہلے تو محمود تغلق اور اس کا وزیر اقبال خاں، ابراہیم شاہ سے جون پور چھیننے کی کوشش کرتے رہے لیکن ۸۱۵ھ کے بعد محمود تغلق کی وفات کے ساتھ تغلق خاندان بھی ختم ہو گیا اور اس کی جگہ سید خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ ابراہیم شاہ نے اس انقلاب کو فال نیک تصور کیا اور تسخیر دہلی کی نیت سے چلا۔ مگر اس عرصہ میں خضر خاں نے اپنی قوت و شوکت بڑھا لی تھی نیز اسے

---

[1] "مخدوم گفت کہ صاحبِ ہدایہ کہ پدر کلاں ایشاں بود در چند محل از ہدایہ خطا کردہ است۔ ایشاں اگر یک جا خطا کردہ باشند چہ باک شیخ الاسلام در جواب گفت: آں محلہا ئے خطا کدامہاست بہ ثبوت باید رسانید۔ مولانا اشارت بفرزنداں و شاگرداں خود کرد کہ ایشاں تقریر می کنند۔ امیر تیمور ملاحظہ ناموس کردہ صحبت بمجلس دیگر انداخت۔" (ایضاً صفحہ ۱۴۵)

[2] "مولانا از آنجا باہل و عیال بر آمدہ بکالپی متوطن شد و طریقہ مواخات کہ با مولانا خواجگی بود مسلوک می داشتہ اند۔ میان اولاد ایشاں و قاضی شہاب الدین کہ شاگرد و فرزند معنوی مولانا خواجگی بود، نقار واقع شد۔ قاضی شکوہ ایشاں بخدمت مولانا خواجگی نوشتہ، استعانت نمود۔" (ایضاً ۱۴۵)

تیمور کے جانشینوں کی معاونت کی بھی امید تھی - ابراہیم شاہ کو جب اس کا پتہ چلا تو وہ راستہ ہی سے لوٹ آیا اور جون پور آکر رفاہ عام کے کاموں کی تعمیر اور علم و ادب کی سرپرستی میں مشغول ہوگیا[1]۔

ابراہیم شاہ ہی کے زمانہ میں ملک العلماء قاضی شہاب الدین جون پور تشریف لائے - ابراہیم شاہ نے ۸۴۰ھ میں وفات پائی اور اس کا بیٹا محمود شاہ جون پور کے تخت پر بیٹھا - شروع میں کالپی کے معاملے میں محمود شاہ خلجی سے بہت زیادہ آویزش رہی - مگر شیخ الاسلام چانیلدہ کی وساطت سے دونوں میں صلح ہوگئی[2]۔ ۸۵۲ھ میں دہلی کے اندر سید خاندان کے بجائے لودھی خاندان حکمران ہوا جس کا پہلا تاجدار بہلول لودھی تھا - ابھی وہ اپنی حکومت کو مستحکم بھی نہ کر پایا تھا کہ محمود شاہ تسخیر دہلی کے ارادے سے روانہ ہوا - اٹاوے پر بہلول لودھی سے مڈبھیڑ ہوئی - لیکن مقابلے کی نوبت آنے سے پہلے ہی محمود شاہ کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا محمد شاہ اس کا جانشین ہوا - اس نے بہلول لودھی سے صلح کر لی - مگر محمد شاہ کی سفاکی و خونریزی سے امراء ناراض ہوگئے اور اسے قتل کر کے اس کے چھوٹے بھائی حسین شاہ شرقی کو بادشاہ بنایا -

حسین شاہ نے بہلول لودھی سے صلح کی تجدید کی - اس کے بعد فوجی طاقت مستحکم کی - پہلے اڑیسہ اور گوالیر میں طاقت آزمائی کی؛ پھر ملکہ کے کہنے سننے میں آکر دہلی پر حملہ کیا - ملکہ دہلی کے آخری سید بادشاہ علاء الدین شاہ کی بیٹی تھی، جسے بہلول نے تخت دہلی سے بے دخل کیا تھا، مگر حسین شاہ کو شکست ہوئی - لیکن وہ اس شکست سے بددل نہیں ہوا اور اگلے سال پھر حملہ آور ہوا - اس مرتبہ بھی شکست کھائی - بایں ہمہ وہ اپنے ارادے پہ ڈٹا رہا اور دو مرتبہ پھر دہلی پر حملہ کیا، لیکن دونوں بار شکست ہی نصیب ہوئی - آخری مرتبہ بہلول لودھی نے جون پور تک اس کا پیچھا کیا - حسین شاہ بہار بھاگ گیا؛ اور بہلول نے اپنے بیٹے باربک شاہ کو جون پور کی حکومت پر مقرر کیا - اس طرح ۸۸۱ھ میں شرقی خاندان کی حکومت جون پور سے ختم ہوئی ؞

---

[1] "بار دیگر بقصد تسخیر دہلی از دار الملک خود رواں شد و بعد از کوچ چند از راہ برگشتہ بدار العلم جون پور آمد و بصحبت علماء و مشائخ و تعمیر ولایت و تکثیر زراعت مشغول شد۔" (تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۰۶)

[2] ایضاً صفحہ ۳۰۷، ۳۰۸)